٦١

يدُ اللّٰہِ علی الجماعۃ

"کیا تبلیغی کام ضروری ہے"؟

کی

دوسری تقریر بسلسلۂ تبلیغ

تعلیم اور تبلیغ

تقریر فرمودہ

حکیم الامتؒ حضرت مولٰنا قاری محمد طیب صاحبؒ

مہتمم دار العلوم دیوبند (یو، پی)

مقام

تاج المساجد، بھوپال جنوری ۶۷ء

ملنے کا پتہ

مکتبہ حبیبیہ مقام پوسٹ تراج، وایا بلسانہ

ضلع سورت (گجرات)

تبلیغ و تعلیم کا سلسلۂ مواعظ نمبر ۲

نمبر ۹۵

حدیث دین کے دو اہم رخ

از حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

حکیم الامت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند اہل علم اور اہل معرفت کے حلقوں میں نہ صرف معروف ہیں بلکہ اپنی گوناگوں خصوصیت کی وجہ سے عالم اسلام میں ایک بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔

گذشتہ ماہ آپ بھوپال تشریف لائے تھے اور اپنے خصوصی تعلقات کی بناء پر آپ دار العلوم تاج المساجد بھی تشریف لائے جہاں آپ نے دین کی تبلیغ و اشاعت کے بارے میں ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ موصوف مخدوم کے حکیمانہ ارشادات افادۂ عام کے لئے نشانِ منزل میں شائع کئے جا رہے ہیں۔

مولانا محترم کی یہ تقریر مولوی احسن علی خاں ندوی نے قلمبند کی ہے۔ ہم اُن کے مشکور ہیں۔

(ادارہ نشان منزل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ۲ دو حصوں میں تقسیم ہے۔ مکّی زندگی اور مدنی زندگی، مکی زندگی ۱۳ تیرہ برس کی ہے۔ اور مدنی زندگی ۱۰ دس کی ہے۔

تکالیف و مصائب مکّی زندگی میں

مکّی زندگی تکالیف و مشکلات، پریشانیوں اور کلفتوں کی ایک طویل صبر آزما زندگی ہے۔ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی نبی کو اپنی قوم سے وہ ایذائیں اور تکلیفیں نہیں پہونچیں، جو مجھ کو میری قوم سے پہونچی ہیں" لیکن ان تمام تکالیف کے بعد بھی آپ دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام انتہائی انہماک اور لگن سے کرتے رہے۔ مشرکین کے ایمان نہ لانے سے آپؐ کے دل میں جو ضیق و تنگی پیدا ہوئی تھی اس پر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اپنے دل کو ان پر نہ کڑھایئے۔ بلکہ اپنے کام میں لگے رہیئے۔ آپؐ خدا کے حکم پر عمل کرتے رہے اور اس کی حمد و تعریف اور اس کے بھیجے ہوئے مذہب کی تبلیغ میں لگے رہے۔ آپؐ کو مجنون، کاہن جادوگر اور نہ جانے کیا کیا کہا گیا۔ آپؐ پر پتھر پھینکے گئے۔ گندگی ڈالی گئی، آپؐ کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ آپؐ پر

سحر کرایا گیا۔ آپؐ کو زہر دیا گیا۔ کوئی نازیبا حرکت ایسی نہ تھی جو آپؐ کے ساتھ نہ کی گئی ہو۔ لیکن ان سب کے باوجود آپؐ اور آپؐ کے صحابہ انتہائی صبر و ثبات کے ساتھ اپنے مشن کی کامیابی کے لئے سعی و کوشش کرتے رہے۔ خدا کی طرف سے بھی آپؐ کو یہی حکم ملا کہ۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ، فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا۔ آپؐ صبر کیجئے جیسا کہ آپؐ سے قبل دوسرے اولوالعزم و صاحب ہمت لوگوں نے صبر کیا، صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیئے۔ اور اگر اس پر بھی یہ جاہل اعتراض کریں۔ تو آپؐ ان پر اپنے دل کو نہ کڑھائیے۔ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ آپؐ ان پر کوتوال بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں۔

جہادِ کبیر یہ بات اسلام کے منافی معلوم ہوتی ہے کہ پٹتے رہنے اور مصائب و تکالیف برداشت کرنے کا کوئی مقصد سمجھ میں نہیں آتا، بات یہ نہیں بلکہ خدا کا یہ حکم تھا کہ ہر قسم کی تکالیف و مصائب کو برداشت کرو۔ اور زبان سے اُف بھی نہ کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جواب نہ دیا جائے۔ جواب دیا جائے اور اس سے بھی سخت دیا جائے، اگر تلوار سے جسم پر حملہ کیا جائے تو اس کا جواب زبان سے رُوح پر حملہ کر کے دیا جائے۔ اگر تکلیف پہنچائی جائے تو دین کی بات انھیں پہنچا کر تکلیف پہنچائی جائے۔ عربی شاعر نے کیا خوب کہا،

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَام، وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَان، یعنی نیزوں کے لگے زخم تو بھر جاتے ہیں۔ لیکن زبان کے لگے زخم ہمیشہ ہرے رہتے ہیں۔ ان کا اندمال نہیں۔ یہ زبان کا جہاد بڑا جہاد ہے۔ اسے جہادِ کبیر کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ جہاد جو تلوار لیکر کیا جاتا ہے اس میں منٹوں کا قصہ ہوتا ہے۔ اور تکلیف بھی تھوڑی دیر کی، لیکن دین کی دعوت کا جو جہاد زبان سے کیا جاتا ہے وہ اذیت و تکلیف کے لحاظ سے زیادہ سخت ہے اس میں تکلیفیں اور اذیتیں اٹھانا اور ہر لمحہ قتل ہونا ہے — ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا بہادر کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ جو حملہ کرکے قتل کر دے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ جو اپنے نفس کو قتل کردے۔ یہ دعوت کا کام جہادِ کبیر ہے، اس میں انسان طعنے سنتا، گالیاں کھاتا، تکلیفیں اٹھاتا، مصیبتیں جھیلتا اور اذیتیں برداشت کرتا ہے اور میدان کارزار میں آدمی جاکر جنگ کرتا ہے پھر یا تو قتل کرتا یا قتل ہوجاتا ہے؛

انقلابِ عظیم اسلام نے اپنے متبعین کو صبر و تحمل کی تعلیم دے کر جُبن و بُزدلی کی دعوت

نہیں دی۔ بلکہ بہادری اور اولوالعزمی کی طرف بُلایا ہے اور اپنے مِشن کے لئے ہر قِسم کی تکلیف و مُصیبت برداشت کرنے کے لئے آمادہ کیا ہے اور بتلا دیا ہے کہ کامیابی و کامرانی شدائد و مصائب پر اُسی طرح صبر و تحمّل کرنے سے مِلتی ہے۔ مکّہ کی زندگی کو دیکھئے تیرہ آدمی مسلمان ہوئے۔ یہ سب حضرت ارقمؓ کے گھر میں بند رہے، زنجیریں چڑھائے رکھتے۔ عدد کے اعتبار سے بھی کم، شوکت و سطوت بھی ندارد، لیکن دین کی تبلیغ میں لگے رہے۔ حق کی طرف بلاتے رہے، تکلیفیں و مصائب جھیلتے رہے اور اپنی زبان سے قلب و جگر پر نشترزنی کرتے رہے۔ بالآخر ان کی پیہم سعی اور مسلسل کوشِش سے ایک عظیم انقلاب آیا۔ اقلیت اکثریت میں بدل گئی، ذلّت و خواری کی جگہ عظمت و رفعت نے لے لی، یہ تبدیلی تلوار کے جہاد سے رونما نہیں ہوئی تھی بلکہ زبان کے اس جہاد سے ہوئی تھی جسے جہادِ عظیم کہا گیا ہے۔ اور کیسے ہوئی؟ اس طرح ہوئی کہ وہ لوگ مصائب کو جھیلا کئے مگر حوصلہ نہیں چھوڑا۔

دعوت و تبلیغ میں ہماری قوّت و طاقت } آج کی ہماری زندگی مشابہہ ہے

۱؎ ظاہر ۲؎ زبردست جہاد

مکہ کی زندگی سے۔ بالکل وہ حال تو نہیں جو وہاں تھا۔ یہاں ہماری جائدادیں ہیں۔ ہمیں قانونی حقوق حاصل ہیں۔ ہم جو پیشہ چاہیں اختیار کرسکتے ہیں۔ لیکن اسلام کی شوکت اور اسلام کا حکم نہیں ہے۔ تمدن تہذیب کی ہر بات تسلیم کرلی جاتی ہے لیکن وہی بات خدا کے نام پر نہیں مانی جاتی۔ خدا کا نام لیکر کچھ نہیں منوایا جاسکتا۔ تمدن و تہذیب کے نام پر ہر بات منوائی جاسکتی ہے۔ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ۔ سارا غصہ، سارا شکوہ صرف اس وجہ سے ہے کہ خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ یہاں مادہ پرستی ہے۔ وطن پرستی ہے۔ لیکن خدا پرستی نہیں ہے۔ اس زندگی کا اقتضا یہ ہے کہ آج ہم اور آپ تلوار سے طاقت پیدا نہیں کرسکتے بلکہ صرف خدا کی طرف دعوت دے کر طاقت و قوت پیدا کرسکتے ہیں۔ آج ہماری کامیابی و کامرانی اور فلاح اس دعوتی کام میں مضمر[1] ہے، دعوت و تبلیغ کا یہ کام ہماری زندگیوں میں ایک عظیم انقلاب لاسکتا ہے۔ اور ہم میں وہ قوت پیدا کرسکتا ہے کہ جو ہم سے ٹکرائے پاش پاش ہو جائے۔

[1] پوشیدہ۔

ہماری نجات کا ذریعہ

حق بات کو دوسروں تک پُہنچانا اور دین کی تبلیغ و اشاعت[1] کا کام انتہائی امانت اور دیانت سے کرنا خدا کا حکم ہے۔ اور خدا کا کام کرنے والا خدا کی نگرانی میں ہے۔ اگر دل میں یہ تصور جاگ اُٹھے کہ خدا کی مدد ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس بات کا ڈر اور کس کا خوف؟ گورنمنٹ کا ایک ادنیٰ ملازم جب سرکاری کام پر ہوتا ہے تو وہ کتنا جری[2] ہوتا ہے۔ اُس کی تمام جرأت صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ سرکاری ملازم ہے۔ اگر اُس پر کوئی حملہ کرے تو اُس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اُس نے سرکار پر حملہ کیا، یہی تصور دین کا کام کرتے وقت ہمارے دل میں ہونا چاہیئے، ہم اس ملک میں اور اِن حالات میں اگر اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں تو صرف مذہب کے نام سے۔ اسکے علاوہ ہماری نجات کا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ قسم ہے زمانہ کی، انسان ٹوٹے اور خسارہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ زمانے کی قسم کھا رہے ہیں۔ زمانہ چلا آرہا ہے۔ اور

---

[1] پھیلانا۔ [2] بہادر۔

چلا جائے گا، زمانہ مکانیات پر چھا گیا ہے۔ مکان اپنی جگہ قائم ہے۔ اور زمانہ پیہم گردش میں ہے۔ سب سے زیادہ وسیع محرف زمانہ ہے۔ ازل سے قبل ہے اور انتہا کا علم نہیں۔ زمانہ کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہے۔ خدا تعالیٰ زمانہ کی قسم کھاتا ہے اور قسم گواہ کے قائم مقام ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ زمانہ کو گواہ بنا کر کہتا ہے کہ انسان ٹوٹے اور گھاٹے میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے۔ نیک اعمال کئے۔ ایمان لانے والے اور عمل صالح کرنے والوں کے علاوہ تمام لوگ خسارہ و نقصان میں ہیں۔

ایمان کی قوت اور اسکی مخالفت کا نتیجہ

تاریخ دیکھ جائیے۔ آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک فتح ان ہی قوموں کو ہوئی جو ایمان والے تھے اور جن لوگوں نے ایمان والوں کی مخالفت کی، اُن کو تکلیفیں دیں، ایذائیں پہنچائیں وہ ذلیل و خوار ہوئے، فرعون، ہامان، شداد، ابوجہل، ابولہب اور ان جیسے تمام مال و دولت والے جنہوں نے اپنے دفتوں ایمان والوں کو ستایا، پریشان کیا، اور ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن

انجام کار خود ہی ذلت و خواری سے دوچار ہوئے ؂

ایک اعتراض اور اُسکا جواب :-

اگر کامیابی حاصل کرنا ہے تو ایمان والا بننا پڑیگا قرآن پاک نے صاف الفاظ میں فرما دیا ہے :- لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ یعنی انسان کو اس کی سعی و کوشش ہی کام دے گی، کسی دوسرے کی سعی کام نہ آئے گی، لیکن اُس کے برخلاف حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر ثواب دوسروں کو پہنچایا جائے تو ثواب دوسروں کو پہنچ جاتا ہے اُس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک کی سعی دوسرے کے کام آتی ہے اس طرح حدیث و قرآن میں تعارضؔ واقع ہوتا ہے۔

مُفتی عزیز الرحمٰن صاحب جو ایک خدا ترس عالم تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ میں نے جلالین میں قرآن کی یہ آیت پڑھی اور حدیث کی ایک کتاب میں ایصال ثواب کی یہ حدیث دیکھی۔ دونوں میں تعارض نظر آیا۔ بہت سوچا، کتابیں دیکھیں لیکن کسی طرح اس کا حل سمجھ میں نہ آسکا رات کو سونے کے لئے گھر گیا۔ اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔ لیکن معاً یہ خیال آیا کہ اگر رات کو

؂ ایک دوسرے کے خلاف

موت آگئی تو دو صورتوں میں سے ایک یقینی ہے۔ یا تو حدیث کا انکار لازم آتا ہے یا پھر قرآن کا۔ اور ان دونوں صورتوں میں ایمان کی سلامتی نہیں۔ یہ خیال آتے ہی بستر چھوڑ دیا۔ اور پیدل گنگوہ کا سفر کیا۔ ۲۲ کوس کا سفر رات بھر میں کر کے صبح تڑکے گنگوہ پہنچا۔ مولانا گنگوہی رح جو کہ ضعیف ہو چکے تھے۔ بینائی جا چکی تھی اس وقت وضو فرما رہے تھے۔ فرمایا کہ کیوں آئے؟ میں نے عرض کیا کہ اس آیت اور حدیث میں تعارض واقع ہو گیا ہے۔ اور اس کا حل سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مولانا گنگوہی رح نے فرمایا قرآن کی اس آیت لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ۔ سے نفس ایمان مراد ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص ایمان نہیں لائے تو کسی دوسرے کا ایمان اس کے کام نہیں آئے گا۔ اور حدیث سے مراد عمل ہے۔ ایمان کسی کو نہیں بخشا جا سکتا عمل بخشا جا سکتا ہے۔

عام تبلیغ ہر شخص پر ضروری ہے :-

اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ انسان خسارہ میں ہے مگر صرف اہل ایمان اور وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں

جو ایک دوسرے کو حق و صبر کی وصیت کریں اور دوسروں کو صالح و نیکوکار بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام اسی لئے شروع کیا گیا کیونکہ عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ یہ کام صرف علماء سے متعلق ہے۔ وہ مسائل جن میں اختلاف ہو انہیں بیان کیا جائے بلکہ علماء اس کو بوقت ضرورت بیان کریں اور عام تبلیغ ہر شخص پر لازمی[1] ہے۔ اُمّتِ محمدیہ کے ہر فرد سے اس ذمہ داری کو لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:۔
كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اس آیت میں اس اُمّت کو مخاطب بنایا گیا ہے۔ اور "لِلنَّاسِ" کہا گیا ہے لِلْمُسْلِمِيْنَ نہیں کہا گیا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور اُن کی تبلیغی جماعت

ہندوستان میں اس وقت دعوت و تبلیغ کے کام کو چند سال قبل حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ نے شروع کیا۔ خدا تعالیٰ نے اُن کے قلب مبارک پر اس کا

[1] ضروری :

القاء کیا۔ انہوں نے تبلیغ کے لئے جماعتوں کا طریقہ اختیار کیا۔
کیونکہ دستور ہے کہ جب کچھ لوگ مل کر ایک بات کہتے ہیں یا
کوئی کام کرتے ہیں تو اس کا اثر خاص طور پر پڑتا ہے، ایک
ہی بات کو جب مختلف لوگ مختلف وقتوں میں کہتے ہیں
تو اس کا اثر کبھی نہ کبھی تو ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے سورۂ
یٰسین میں ارشاد فرمایا ہے: اِذْ اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمُ
اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْا اِنَّا
اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝ جب ہم نے اُن کے پاس دو
رسول بھیجے تو انہوں نے ان کی تکذیب[1] کی تو ہم نے
تیسرا رسول بھیجکر ان کو سرفراز کیا، انھوں نے کہا
کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔
مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے
اسی وجہ سے دعوت کے کام میں جماعتی طریقہ اپنایا۔
کیونکہ انھوں نے محسوس کیا کہ آج کا دور اجتماعی
دور ہے، کھیل کود، صنعت و حرفت، تجارت و
زراعت غرض ہر چیز میں اجتماعیت پائی جاتی
ہے۔ ہر مسئلہ میں وفود جاتے ہیں۔ میٹنگیں ہوتی ہیں
ہر جگہ جماعتی رنگ دکھلائی دیتا ہے۔ اس جماعتی ماحول
میں انفرادی بات کا زیادہ اثر نہیں ہوتا، یہی کچھ

القاء اور الہام موافق شرع شریف ہو تو قابل قبول ورنہ نہیں۔

[1] جھٹلایا

جو ایک دوسرے کو حق و صبر کی وصیت کریں اور دوسروں کو صالح و نیکوکار بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام اسی لئے شروع کیا گیا۔ کیونکہ عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ یہ کام صرف علماء سے متعلق ہے۔ وہ مسائل جن میں اختلاف ہو انھیں بیان کیا جائے بلکہ علماء اس کو بوقت ضرورت بیان کریں اور عام تبلیغ ہر شخص پر لازمی[۱] ہے۔ اُمّت محمدیہ کے ہر فرد سے اس ذمہ داری کو لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اس آیت میں اس اُمّت کو مخاطب بنایا گیا ہے۔ اور "لِلنَّاسِ" کہا گیا ہے لِلْمُسْلِمِيْنَ نہیں کہا گیا۔

حضرت مولانا محمدؐ الیاس صاحب
اور
اُن کی تبلیغی جماعت

ہندوستان میں اس وقت دعوت و تبلیغ کے کام کو چند سال قبل حضرت مولانا محمدؐ الیاس رحؒ نے شروع کیا۔ خدا تعالیٰ نے اُن کے قلب مبارک پر اسکا

۱؎ ضروری :۔

القاء اور الہام موافق شرع شریف ہو تو قابل قبول ورنہ نہیں

القاء کیا۔ انہوں نے تبلیغ کے لئے جماعتوں کا طریقہ اختیار کیا۔ کیونکہ دستور ہے کہ جب کچھ لوگ مل کر ایک بات کہتے ہیں یا کوئی کام کرتے ہیں تو اس کا اثر خاص طور پر پڑتا ہے، ایک ہی بات کو جب مختلف لوگ مختلف وقتوں میں کہتے ہیں تو اس کا اثر کبھی نہ کبھی تو ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے سورۃ یٰسین میں ارشاد فرمایا ہے۔ اِذْ اَرْسَلْنَا اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَیْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۔ جب ہم نے اُن کے پاس دو رسول بھیجے تو اُنہوں نے ان کی تکذیب[1] کی تو ہم نے تیسرا رسول بھیج کر ان کو سرفراز کیا، انھوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔

مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وجہ سے دعوت کے کام میں جماعتی طریقہ اپنایا۔ کیونکہ اُنھوں نے محسوس کیا کہ آج کا دور اجتماعی دور ہے، کھیل کود، صنعت و حرفت، تجارت و زراعت غرض ہر چیز میں اجتماعیت پائی جاتی ہے۔ ہر مسئلہ میں وفود جاتے ہیں۔ میٹنگیں ہوتی ہیں ہر جگہ جماعتی رنگ دکھلائی دیتا ہے۔ اس جماعتی ماحول میں انفرادی بات کا زیادہ اثر نہیں ہوتا، یہی کچھ

[1] جھٹلایا

سوچ سمجھ کر مولانا مرحومؒ نے اس جماعتی کام کو جماعتی ڈھنگ سے شروع کیا، جب جماعت بنا کر کچھ لوگ کسی آدمی کے پاس جاتے ہیں اور اس حال میں کہ کاندھوں پر بستر لدے ہوتے ہیں پیدل چل کر آرہے ہیں، محنت و مشقت کے آثار چہرے سے ظاہر ہیں، لامحالہ وہ آدمی سوچتا ہے کہ یہ لوگ میرے پاس کیوں آئے ہیں؟ انھیں مجھ سے کوئی غرض و مطلب نہیں، پھر کیا چیز ہے جو انھیں اس تکلیف کو برداشت کرنے پر آمادہ کر رہی ہے۔ ضرور جو یہ لوگ کہتے ہیں وہ صحیح ہوگا۔ یہ چیز اُسے بہت متاثر کرتی ہے۔

تبلیغی جماعت اور انقلاب عظیم — !!

میں نے شاید کہیں لکھا ہے کہ تبلیغ کو اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے دل پر بطور حق کے القاء کیا، اس میں تعلیم و تربیت، سیر و سیاحت، روح کی دلچسپی، بدن کی ورزش ہر ایک چیز موجود ہے، آج کے دور میں یہ کام بڑا ہی مفید اور لازمی ہے۔ اسی وجہ سے یہ کام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اور اس خاموش تبلیغ سے ایک عظیم انقلاب آرہا ہے۔ ہندوستان کے

ہر خطے میں اور ہندوستان سے باہر جہاں بھی میں گیا وہاں میں نے تبلیغی جماعتیں اور تبلیغی مراکز دیکھے، رسمی انداز میں اس عالمگیر طریقہ پر کام نہیں ہوسکتا، اور اُس کے ساتھ ساتھ نہ فتنہ وفساد ہے اور نہ واویلا اور شور، آپ نے کہیں نہیں سُنا ہوگا کہ ان جماعتی لوگوں نے کہیں غدر کیا، کہیں فساد برپا کردیا۔ یہ ایک خاموش تبلیغ ہے، جو عالمگیر طریقہ سے ساری دُنیا میں پھیلتی جارہی ہے۔ اور اُس کی مقبولیت روز بروز بڑھتی چلی آرہی ہے،

تبلیغ میں باہر نکلنے کا فائدہ :-

تبلیغ کے کام میں آدمی کو اس کے گھر سے نکالا جاتا ہے، وہ گھر کے ماحول سے نکل کر خدا کے گھر میں پہنچتا ہے، وہاں اُسے دوسرا ماحول ملتا ہے۔ گھر کے ماحول میں اور اس ماحول میں بڑا فرق ہوتا ہے یہاں اُسے داعی اور عامل دونوں بننا پڑتا ہے۔ وہ داعی بنکر آتا ہے اور عامل بنکر جاتا ہے۔

تبلیغ کا مقصد :-

حضرت سفیان ثوریؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم نے

علم حاصل کیا تھا غیر اللہ کے لئے مگر جب علم آگیا تو اُس نے کہا کہ میں تو خدا کے لئے ہوں" اس تبلیغی کام کا ایک نظام ہے اور اوقات نکالنے کا ایک اصول ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ قلب۱؎ کی صفائی ہو وہ تمام دنیوی آلودگیوں سے پاک ہو تزکیۂ نفس۲؎ ہو۔ انشراح قلبی اور روحانی قوتوں کو جِلا ہو، شیطانی قوتیں دبیں اور مغلوب ہو جائیں۔

بے لوث خدمت :-

آج کے دور میں بہت سی تحریکیں چل رہی ہیں لیکن یہ تحریک اپنی مثال آپ ہے، اس میں نہ عہدے ہیں، نہ منصب ہیں، نہ کرسیاں اور نہ سیٹیں ہیں، بلکہ اپنے ہی مال کا خرچ ہے اپنی جیب پر بار ہے۔ یہ تحریک موجودہ دور میں دین کے تحفظ کے لئے ایک بڑی پناہ گاہ ہے کسی ریاست کی بنیاد ہوتی ہے "توہمات۳؎" اور "تنازع للبقا۴؎" پر لیکن یہاں اس کے برعکس ہے، یہاں تنازع للبقاء کی جگہ فنا للبقاء۵؎ ہے اور توہمات کی جگہ محبت و الفت ہے۔ ریاست کے لئے پارٹیاں بنائی جاتی ہیں۔ اور یہاں خود بخود پارٹیاں بن جاتی ہیں۔

۱؎ دل ۲؎ نفس کی صفائی ۳؎ ایک دوسرے پر وہم کرنا ۴؎ خود کو کسی عہدے پر باقی رکھنے کے لئے جھگڑنا ۵؎ اپنے آپ کو مٹانا۔

دو پناہ گاہ :-

آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس دور میں مسلمانوں کے لئے صرف دو پناہ گاہیں ہیں، ایک دینی مدرسے، اور دوسرے یہ تبلیغی کام۔ تعلیم والے باہر سے لوگوں کو لاکر ایک جگہ جمع کرتے ہیں اور پھر اپنی تعلیم دیتے ہیں اور یہ تبلیغی کام والے جمع شدہ لوگوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں ؛

تبلیغی کام میں شرکت کیجئے :-

تبلیغی کام ایک ٹھوس اور بنیادی کام ہے۔ اس پر قوموں کے عروج وزوال کی بنیاد ہے۔ جو لوگ اس تبلیغی کام میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے وقتوں کو لگاتے ہیں وہ مزید اس کام میں لگیں۔ اگر پہلے کم وقت لگاتے تھے تو اب اور زیادہ وقت لگائیں اور اس کام کو محنت اور جانفشانی سے کریں۔ جو کہیں اس پر خود عامل ہوں اور عمل کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ سب سے بڑی دلیل عمل ہے اور عمل کے بڑے اثرات پڑتے ہیں ؛

Scanned by CamScanner

حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ دنیا میں ہر شخص اپنی بات کو خوشنما کرکے پیش کرتا ہے۔ لیکن اگر اُس کا یہ قول عمل کے مطابق ہے تو ٹھیک۔ ورنہ اُس کے لئے ہلاکت دنیا ہی ہے۔ اسی طرح ہر کام کے کرنے کے کچھ اُصول ہوتے ہیں اور اس کی کچھ حدیں ہوتی ہیں۔ کام کو اسطرح کریں کہ دوسرے کے حقوق پامال نہ ہوں اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا انسان پر اُس کے نفس کا، اُس کی جان کا، اُس کی بیوی کا، بچوں کا، آنکھوں کا، ہر ایک کا حق ہے اگر ایک انسان ایک حق کو ادا کرے اور اس حق کے ادا کرنے میں دوسرے بہت سے حقوق پامال ہوں تو یہ خیر کی بات نہیں۔ خیر کی بات تو یہ ہے کہ حق بھی ادا ہوجائے اور دوسرے حقوق کی پامالی بھی نہ ہو۔ کھاؤ بھی کہ یہ نفس کا حق ہے اور روزہ بھی رکھو کہ خدا کا حق بھی ادا ہوجائے۔

دعوتی کام کا نفع :-

آج دنیا میں اور خصوصاً ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے راہِ نجات اور فلاح و کامرانی کی راہ بھی دعوتی کام ہے۔ اس کام نے قوموں کو

بنایا اور سنوارا ہے۔ یہی کام کرنے والے پنپے
ہیں۔ اور یہی کام کرنے والے عزّت و احترام
کی نگاہ سے دیکھے گئے ⁂

(نشانِ منزل بھوپال)
(مورخہ ۱۵ر فروری ۱۹۶۷ء)

خلاصہ یہ کہ موجودہ تبلیغی کام مدرسوں سے بھی افضل، خانقاہوں سے بھی افضل، جہاد سے بھی افضل
غرضیکہ دین کا کوئی کام اور کوئی خدمت اس سے افضل تو کیا اس کے برابر بھی نہیں۔
اور جب مدرسہ کی روداد چھاپی جاتی تھی تو لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ مدرسہ سے بڑھ کر
کوئی دین کی خدمت نہیں اور مدرسوں ہی سے دین کی بقاء ہے اور طالب علم مہمان رسول ہیں وغیرہ
اور خانقاہوں اور مشائخ کا پیری مریدی موضوع بیان ہوتا تو وہاں کہتے تھے کہ اصلاح نفس
جہاد اکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر ظاہری اعمال پر نہیں ہوتی بلکہ قلوب پر ہوتی ہے وغیرہ
اور سننے والے اس درجہ متاثر ہو جاتے تھے کہ یا اللہ یہ کام کروں کہ وہ کام کروں۔